نازیہ کنول نازی

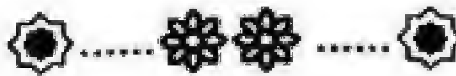
شب ہجر کی پہلی بارش

دل آباد کا برباد ہونا بھی ضروری ہے
جسے پانا ضروری ہے اسے کھونا ضروری ہے
یہ خود سر وقت لے جائے کہانی کو کہاں جانے
مصنف کا کسی کردار میں ہونا ضروری ہے

(گزشتہ اقساط کا خلاصہ)

صمید حسن صاحب ایک غریب گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ والدین کی رحلت کے بعد ریٹائرڈ کرنل شیر علی انہیں اپنا بیٹا بنا کر گھر لے آتے ہیں۔ جہاں وہ اپنی دو عدد بھتیجیوں بریرہ اور مریرہ کے ساتھ رہتے ہیں۔ بریرہ کرنل شیر علی کے بیٹے سکندر علوی کی منگیتر ہے مگر سکندر علوی اس میں دلچسپی نہیں رکھتا۔ وہ امریکا میں اپنی کسی کلاس فیلو کے ساتھ شادی کر لیتا ہے جس کے غم میں بریرہ سکندر علوی سے شادی کے بعد گھلنا شروع ہو جاتی ہے اور بالآخر پہلے بچے کی پیدائش پر جان سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہے۔ بریرہ کی موت کے بعد کرنل شیر علی اپنی بھتیجی مریرہ کی شادی صمید حسن کے ساتھ کر دیتے ہیں جس پر صمید اور مریرہ دونوں ہی بہت خوش رہتے ہیں۔ گاؤں میں کرنل شیر علی کے قریبی دوست اظہار کے گھر شادی ہے جس میں شرکت کے لیے وہ مریرہ اور اظہار کو گاؤں بھیجتے ہیں مریرہ کو گاؤں میں اس گھر سے بہت محبتیں ملی ہیں کیونکہ وہ اور بریرہ بچپن میں زیادہ وہیں رہتی تھیں تبھی مریرہ گاؤں آ کر بہت خوش ہوتی ہے۔ زاور یار حسن صمید حسن کا اکلوتا جواں سالہ بیٹا ہے جو بے حد گھمنڈی اور لڑکیوں سے شدید متنفر ہے۔ لندن میں ایک لڑکی ہوزان جو اسٹور پر کام کرتی ہے اس کے عشق میں مبتلا ہے مگر وہ اسے نفرت سے روند کر پاکستان چلا آتا ہے جہاں صمید حسن صاحب کی دوسری بیوی سارہ اور ان کی بیٹی پریہان اس کا شاندار استقبال کرتی ہیں۔ صمید پریہان کو کبھی محسوس ہونے نہیں دیتے کہ وہ ان کی سگی بیٹی نہیں ہے۔ دوسری طرف زاویار بھی سارہ کو اپنی سگی ماں اور پریہان کو اپنی سگی بہن سمجھتا ہے۔ عائلہ سکندر علوی کی بیٹی اور کرنل شیر علی کی پوتی ہے۔ صمید حسن صاحب اسے آفس میں اپنے ساتھ رکھتے ہیں اور بیٹیوں سے بڑھ کر اہمیت دیتے ہیں یہی چیز زاویار کو برداشت نہیں اور وہ مختلف حیلوں سے اسے ڈس ہارٹ کر کے اپنے آفس سے نکالنے کی کوشش کرتا ہے مگر صمید صاحب اسے کامیاب نہیں ہونے دیتے۔ سارہ اور پریہان بھی عائلہ کی فیور میں ہیں اس لیے وہ واپس لندن جانا چاہتا ہے مگر اس کی دوست جولی اسے روک دیتی ہے۔ دوسری طرف عائلہ کا منگیتر سدید جو پاک آرمی میں ہے عائلہ کو وارن کرتا ہے کہ اگر دوبارہ بھی زاویار نے اسے ہرٹ کیا تو وہ اسے چھوڑے گا نہیں۔

(اب آگے پڑھیے)



شام کی دبیز چادر
سرمئی بادلوں کے نظارے

گرے ہوئے زرد پتوں پہ
برہنہ کھڑے ہوئے پیڑ کے پاس
وہ آج بھی تمہیں یاد کرتی ہے
تاروں کے جھرمٹ میں
پھیلتی ہوئی ماہتاب کی روشنی میں
رات کے سناٹے میں
تمہاری آواز کی بازگشت سنائی دیتی ہے
گھر کی دہلیز پہ کھڑی
منتظر ہیں اس کی نگاہیں
تمہاری راہ میں......
لوٹ آؤ

مریہ گاؤں آ کر بے حد خوش تھی۔

اس نے اور بریرہ نے بچپن کا بہت سا خوب صورت وقت اسی گاؤں میں گزارا تھا صرف وہ گھر ہی نہیں اس گاؤں کے گلی کوچے بھی اس کے آشنا تھے۔ تبھی وہ یہاں آ کر خاصی بہل گئی تھی۔

صمید کو واپس جانا تھا۔ اس کا ابھی نیا نیا بزنس شروع ہوا تھا۔ وہ اتنے دن وہاں گاؤں میں رک کر بے کار میں وقت برباد کرنے کا رسک نہیں لے سکتا تھا۔ تبھی سب کو اپنی مجبوری بتا کر اگلے روز شام سے پہلے شہر روانہ ہوگیا۔

عمر سے اس کی ملاقات نہیں ہو سکی تھی۔

صبح ناشتے کے بعد، صمید کے اٹھنے سے پہلے ہی وہ ایک ضروری کام سے شہر نکل گیا تھا۔ جہاں سے اس کی واپسی صمید حسن کی وہاں سے رخصتی کے بعد ہی ہوئی تھی۔

جس وقت وہ تھکا ہارا حویلی واپس لوٹا مریہ بے جی کے پاس بیٹھی ان سے اپنی اور صمید کی باتیں شیئر کر رہی تھی۔ وہ دھپ سے اس کے برابر آ کر بیٹھ گیا۔

"تمہیں سوائے اپنے شوہر کی بے جا تعریفیں کرنے کے دوسرا کام ہے کہ نہیں۔"

"تمہیں کیوں جیلسی ہو رہی ہے۔"

"جیلسی تو ہو گی جب اتنے قابل بندے کو چھوڑ کر تم کسی اور کی تعریف کرو گی۔"

"اف......وہ کوئی اور میرا شوہر ہے اسٹوپڈ۔"

"سو وہاٹ کوئی بھی ہو۔"

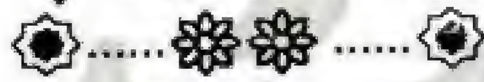
"بے جی آپ دیکھ رہی ہیں ناں اسے یہ کبھی نہیں سدھرنے والا۔"

"بالکل، تعریف کے لیے شکریہ۔" وہ مسکرایا اور ساتھ ہی ہاتھ بڑھا کر اس کے بال بھی بکھیر دیے۔

بے جی اس کی شرارت پر مسکراتے مسکراتے ایک دم سے افسردہ ہوگئیں۔

بیٹے کے دل کا حال ان سے پوشیدہ تو نہیں تھا۔ وہ گواہ تھیں ان لمحوں کی جن لمحوں میں وہ تڑپ تڑپ کر رو دیا تھا مریہ کی شادی کی خبر ملنے پر عجیب سودائیوں سا حال ہوگیا تھا اس کا پورے پندرہ دن بخار نہیں ٹوٹا تھا اس کا اور بے جی نے وہ سب راتیں اس کے سرہانے بیٹھ کر کاٹی تھیں۔ بڑی مشکل سے وہ زندگی کی طرف لوٹا تھا۔ بڑی مشکل

سے اس نے خود کو دنیا کے کام دھندوں میں مصروف کیا تھا۔
غم دل پر غم روزگار کو حاوی کرکے ہر پل کی اذیت سے چھٹکارا پایا تھا۔ کتنے دن ہوئے تھے بے جی نے اسے ہنستے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔
آج اس لمحے وہ مسکرایا تھا تو انہیں بے حد خوشی ہوئی تھی مگر اس خوشی کے ساتھ ہی اس کی اجڑی ہوئی زندگی کا سوچ کر وہ پھر سے افسردہ ہوگئیں۔
مریہ اب اسے کہہ رہی تھی۔
''حلیہ دیکھو اپنا کہیں سے بھی تعریف کے قابل نہیں لگ رہے ہو، یہ پسینے سے شرابور کپڑے یہ مٹی میں اٹے بال، لگتا ہے کسی سے لڑ کر آرہے ہو۔''
''نہیں، تمہارے بعد لوگوں سے لڑنا چھوڑ دیا ہے میں نے، خیر تمہارے شوہر نظر نہیں آرہے۔ ابھی تک سو رہے ہیں کیا؟''
''جی نہیں، وہ شہر واپس چلے گئے ہیں۔''
''وہاٹ، مجھ سے ملے بغیر ہی واپس چلے گئے۔''
''ہوں، مجبوری تھی۔''
''چھوڑو یار، ایک دم بور اور کھڑوس شوہر ہے تمہارا، ابھی کل آیا اور آج واپس بھی چلا گیا۔''
''عمر......'' وہ زور سے چلائی۔
عمر نے ہنستے ہوئے فوراً کان پکڑ لیے۔
''سوری بابا یونہی تنگ کر رہا تھا ویسے صمید حسن صاحب سے نہ ملنے کا افسوس رہے گا۔''
''زیادہ افسوس کرنے کی ضرورت نہیں وہ شادی سے ایک دن پہلے آجائیں گے۔''
''چلو پھر ٹھیک ہے تم کھانا نکالو میں فریش ہو کر آتا ہوں۔''
''ٹھیک ہے۔'' وہ اٹھی تھی عمر ایک نظر بے جی کے افسردہ چہرے پر ڈالتا فوراً اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔



چاندنی رات تھی۔
عمر چھت کی منڈیر پر بیٹھا تھا جبکہ مریہ چھت کے وسط میں دھری چارپائی پر پاؤں لٹکائے بیٹھی تھی۔
نیچے گلی میں نکڑ پر ایک چھوٹا سا پیلا بلب جل رہا تھا جس کی روشنی میں دو گھر چھوڑ کر تیسرے گھر کے باہر لگے تندور کے قریب عمر کا وہ پالتو کتا بیٹھا تھا جو ہمہ وقت عمر کے ساتھ ہی رہتا تھا خواہ وہ کہیں بھی جاتا۔ مریہ کو اس کتے سے بہت خوف آتا تھا۔ وہ ضرورتاً بھی اس کے قریب جانے سے پرہیز کرتی تھی اور عمر کی نگاہیں اس وقت اسی کتے پر تھیں جب مریہ نے پوچھا۔
''شادو کا کیا بنا عمر، میں تو سمجھی تھی اب تک تم نے اسے اپنی زندگی میں شامل کرلیا ہوگا۔''
''کیوں، اتنا نادر خیال کیوں آیا تمہارے دماغ میں۔''
''ویسے ہی اتنا پیار جو کرتی ہے وہ تم سے۔''
''کرتی رہے میں جوتے کی نوک پر نہیں رکھتا اسے۔''
''مگر کیوں......؟''

غزل

اداس رات کے آنچل میں رنگ بھرنے دو
مجھے حیات کے مقتل میں رقص کرنے دو
خزاں کا پیٹ تو پتوں سے بھر چکا ہوگا
کوئی بہار کا سورج بھی اب ابھرنے دو
میرے خلوص کی قیمت بھی جان جاؤ گے تم
ذرا اشباب کے پیپل سے رنگ اترنے دو
اک اجڑی شام میں لکھی ہوئی کتاب ہوں میں
گلی گلی میرے اوراق کو بکھرنے دو
ابھی تو لگتا ہے رضی ہے کشمکش میں الجھن
یہ چند لمحے یونہی خواب میں گزرنے دو

حکیم محمد رضوان عرف رضی...... فیصل آباد

"تمہارے کیوں کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھتا۔"

"مگر وہ تمہاری بچپن کی منگ ہے عمر، جان سے بڑھ کر پیار کرتی ہے تم سے، پھر تمہارے لیے بچپن میں کتنی بار گھر والوں سے مار کھائی اس نے اور پتا ہے گاؤں کی ساری لڑکیاں تمہارا نام لے کر خوب بے وقوف بناتی رہی ہیں اسے کبھی کوئی گڑ منگوا رہی ہے تو کبھی کوئی مکھن...... اوہ گاڈ...... تمہیں پتا ہے ایک بار اس نے مجھ سے کتنا جھگڑا کیا صرف اس جرم کی پاداش میں کہ تم میں انوالو تو نہیں بڑی مشکل سے اسے یہ یقین دلا پائی تھی کہ تم صرف میرے دوست ہو بس۔"

"شکر ہے تم نے بھائی نہیں کہہ دیا۔" وہ تنگ کر بولا تھا مریرہ بے ساختہ مسکرا دی۔

"بھائی کہہ دیتی تب بھی کوئی حرج نہیں تھا مگر میں نے دوست ہی کہا تھا۔"

"چلو جو بھی کہا تھا میں اس چڑیل کے بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔"

"مگر کیوں، تمہیں آخر اس سے اتنی چڑ کیوں ہے۔"

"بس ویسے ہی مجھے اس کی عادتیں پسند نہیں۔"

"تو وہ عادتیں بدل لے گی تم ایک بار پیار سے کہہ کر تو دیکھو۔"

"پلیز اسٹاپ اٹ مریرہ تم آخر کیوں اتنی حمایت کر رہی ہو اس کی۔" وہ چڑا۔

مریرہ چارپائی سے اٹھ کر قریب چلی آئی۔

"میں تمہارا گھر بسا ہوا دیکھنا چاہتی ہوں عمر۔"

"دل تو بسا ہوا دیکھ نہیں پائیں اب گھر بسانے سے کیا حاصل۔" وہ صرف سوچ پایا تھا کہہ نہیں پایا۔

مریرہ بھی چھت کی منڈیر پر آ بیٹھی۔

"تمہیں وہ تندور والی اماں یاد ہیں عمر، جو ہمارے لیے روزانہ اپنے بوسیدہ دوپٹے کے پلوں میں چنے چھپا کر رکھتی تھیں۔"

''ہوں......''

''اور وہ کبڑا بابا یاد ہے جس کے بیٹوں نے اس کی بیماری میں اسے گھر سے نکال دیا تھا اور وہ پورے گاؤں کی گلیوں میں روتا پھرتا تھا۔''

''ہوں......سب یاد ہے۔''

''وہ صبح بھی یاد ہے جب ہمارا جھگڑا ہوا تھا اور میں نے تمہارے بازو پر زور سے کاٹا تھا جس کی سزا کے طور پر تم نے مجھے پرانی حویلی کے بوسیدہ کمرے میں پورے دن کے لیے بند کردیا تھا۔ پھر جب شام کو تم وہاں آئے تو میں بے ہوش پڑی تھی تب کیسے جتن کیے تھے تم نے مجھے ہوش میں لانے کے لیے اور جب مجھے ہوش آیا تو کیسے ہاتھ جوڑ کر منتیں کررہے تھے کہ میں کسی کو کچھ نہ بتاؤں مائی گاڈ کتنے خوب صورت دن تھے ناں وہ۔'' چھت کی منڈیر پر بیٹھی مریرہ ہنس رہی تھی۔

عمر کے لبوں پر ہلکی سی مسکان بکھر گئی۔

''میں کچھ بھی نہیں بھولا مریرہ......وہی لمحے تو میری زندگی تھے اور رہیں گے۔''

''آہم......اس کا مطلب ہے تم اب مجھے مس کرتے ہو۔''

''ہوں......''

''چلو دیر سے ہی صحیح تمہیں قدر تو ہوئی میری۔'' اس کے دل کے حال سے بے نیاز وہ کہہ رہی تھی۔

عمر خود پر ضبط کیے فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

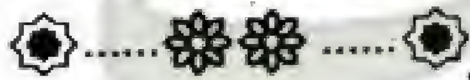
''چلو رات بہت ہوگئی ہے نیچے چل کر سوتے ہیں اب۔''

''ارے ابھی تو صرف نو بجے ہیں۔''

''گاؤں میں نو بجے کا مطلب ہے آدھی رات چلو اٹھو شاباش مجھے بہت نیند آرہی ہے۔'' اس کی آنکھوں میں نیند کا دور دور تک کوئی شائبہ نہیں تھا۔

مریرہ بہت سی باتوں کی خواہش دل میں لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

عمر عباس کے لیے وہ رات پھر ایک بہت بڑی آزمائش ثابت ہوئی تھی۔



صبح سے برستی موسلا دھار بارش تھم چکی تھی۔

سدید گھر پر نہیں تھا اور عائلہ نے میٹھے پکوڑے بنالیے۔

باہر لان میں موسم بہت اچھا لگ رہا تھا وہ کرنل صاحب کو کمرے سے اٹھا کر وہیں لے آئی تھی۔

''دیکھیے کتنا پیارا موسم ہورہا ہے یہ ٹھنڈی ٹھنڈی بھیگی ہوائیں، یہ بادل، یہ نکھرے نکھرے پھول پودے، اگر سچ کہوں تو دنیا میں اس سے بڑھ کر حسین کچھ بھی نہیں۔'' وہ فطرت سے پیار کرنے والی لڑکی تھی۔ کرنل صاحب کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

''صحیح کہا تم نے، قدرتی چیزوں کے حسن سے بڑھ کر اس کائنات میں اور کچھ بھی نہیں تمہاری طرح مریرہ کو بھی قدرت کی خوب صورتی سے بہت عشق تھا وہ بھی جان دیتی تھی۔ ان بادلوں......بارشوں......بھیگے بھیگے پیڑ پودوں......اڑتے پرندوں اور سبک روی سے چلتی سرد ہواؤں......سردیوں کی ٹھٹھرتی شاموں اور کہر میں لپٹی صبحوں پر۔''

غزل

محبت کر کے اے ہمدم!
سنو اعتبار کرتے ہیں
بھلا کے نفرتوں کو اب
سنو ہم پیار کرتے ہیں
عشق کر کے ہم اور تم
نئی داستاں بنتے ہیں
راج ہجر کا قصہ لمبا ہوا
چلو ہم ساتھ چلتے ہیں
چلو ہم ساتھ چلتے ہیں

سید عبادت راج.....ڈیرہ اسماعیل خان

''اتنے سال گزر گئے بابا آپ نے انہیں ڈھونڈنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟'' پہلے بھی کئی بار کا کیا ہوا سوال اس نے پھر دہرایا۔ کرنل صاحب کی آنکھوں میں یاسیت بکھر گئی۔

''ڈھونڈا انہیں جاتا ہے عائلہ جو کھو جائیں جو خود اپنی مرضی سے چھوڑ کر چلے جائیں انہیں کوئی کیسے ڈھونڈ سکتا ہے۔''

''مگر انہوں نے ایسا کیوں کیا بابا، صمید انکل اور ان کی لڑائی میں آپ کا تو کوئی قصور نہیں تھا پھر آپ کو چھوڑ کر کیوں گئیں وہ۔'' عائلہ کے سوال میں الجھن تھی اور کرنل صاحب نے نظریں پھیر لیں۔

وہ اس سوال سے ہمیشہ نظریں چراتے تھے مگر اس وقت جانے کس موڈ میں تھے جو چپ نہ رہ سکے۔

''اسے لگتا تھا شاید میں اس کے فیصلے میں اس کا ساتھ نہیں دوں گا اسی لیے صمید کے ساتھ ساتھ اس گھر سے بھی اس نے اپنا تعلق توڑ لیا۔''

''مگر اتنے سال ہو گئے بابا انہیں پلٹ کر خبر تو لینی چاہیے تھی آپ کی۔''

''ضروری نہیں سمجھا اس نے۔''

''مگر کیوں، آپ نے انہیں ماں باپ بن کر پالا تھا ان کی ہر ضرورت اور خواہش پوری کی تھی پھر وہ آپ کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتی ہیں۔'' اس بار عائلہ کے سوال میں صرف الجھن ہی نہیں غصہ بھی تھا۔

کرنل صاحب کے اندر جیسے گہری چپ بکھر گئی۔

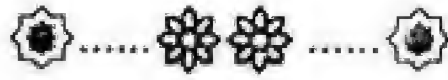
''سدید ابھی تک گھر نہیں آیا اس کا پتا کرو کہیں خراب موسم کی وجہ سے کسی مشکل میں ہی نہ پھنس گیا ہو۔'' عائلہ جانتی تھی کہ جلد یا بدیر وہ اس ٹاپک پر بات بدل دیں گے اور یہی ہوا انہوں نے بات بدل دی تھی اور تبھی وہ یاسیت سے بولی تھی۔

''میں نے اسے کال کی تھی مگر اس کا نمبر مسلسل بند مل رہا ہے۔''

''اللہ خیر کرے پتا نہیں کب عقل آئے گی اس لڑکے کو بہت بے پروا ہو گیا ہے۔'' پکوڑوں کی پلیٹ جوں کی توں چھوڑ کر وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے ہوئے اٹھ گئے۔

عائلہ جانتی تھی وہ ڈسٹرب ہوں گے اور وہ ڈسٹرب ہو کر رہ گئے تھے تبھی اسے خود پر افسوس ہوا تھا۔ اس کے ہوش

میں جب جب اس گھر میں مریہ رحمان کا ذکر ہوا تھا وہاں کے در و دیوار پر اداسیوں کی پریاں اتری تھیں۔
کرنل صاحب اور صمید حسن دونوں گھرانوں کی زندگیوں میں مریہ رحمان نامی باب ایک ایسا باب تھا جو جب بھی کھلتا تھا تباہیاں اور بے چینیاں لاتا تھا اس رات اس گھر میں بھی یہی ہوا تھا اور رات تقریباً ساڑھے بارہ بجے کرنل صاحب کا بی پی شوٹ کر گیا تھا اور پھر صبح فجر کی اذان کے بعد ہی ان کی حالت قدرے بہتر ہو سکی تھی۔ سدید عشاء کے بعد گھر واپس آ گیا تھا۔ عائلہ نے وہ پوری رات سدید کے کندھے پر سر رکھ کر آنسو بہاتے ہوئے گزاری تھی۔



سنو جاناں
ابھی پہلی محبت کے بہت سے قرض باقی ہیں
ابھی پہلی مسافت کی تھکن سے چور ہیں پاؤں
ابھی پہلی رفاقت کا ہر اک گھاؤ سلامت ہے
ابھی مقتول خوابوں کو بھی دفنایا نہیں ہم نے
ابھی آنکھیں ہیں عدت میں
ابھی یہ دن سوگ کے دن ہیں
ابھی اس غم کی کیفیت سے باہر کس طرح آئیں؟
ابھی یہ زخم بھرنے دو
ابھی کچھ دن گزرنے دو
یہ غم کے نیلگوں دریا، اتر جائیں تو سوچیں گے
ابھی یہ زخم تازہ ہیں
یہ بھر جائیں تو سوچیں گے
دوبارہ کب اجڑنا ہے

شام ڈھل چکی تھی۔ صبح سے مسلسل ہوتی بارش میں بھیگتے پرندوں نے گھر واپسی کا سفر شروع کر دیا تھا مگر وہ وہیں لان میں بیٹھی رہی تھی۔
گزشتہ گزرے سالوں میں وجود ایسا سن ہوا تھا کہ جیسے ہر احساس ہی مٹ گیا تھا۔
درد کا احساس...... تنہائی کا احساس...... موسموں کے سرد یا گرم ہونے کا احساس...... پسندیدہ کھانوں کی لذت کا احساس...... کچھ بھی کھو دینے کی تکلیف کا احساس...... بارش، پھول، پودوں کے حسن کا احساس...... کیا رہا تھا اس کے پاس؟
کچھ بھی تو نہیں......

اب تو ہاتھوں کی لکیریں بھی مٹی جاتی ہیں
تجھ کو کھو کر تو میرے پاس رہا کچھ بھی نہیں

"بیگم صاحبہ۔" جانے کب تک وہ اپنے آپ میں کھوئی رہتی جب ملازمہ کی پکار نے اسے حقیقت کی تلخ دنیا میں واپس گھسیٹ لیا۔

محبت

اپنی حنا کی خوشبو سے میری سانسوں کو معطر کردو
اپنے احساسِ جذبات سے میری روح کو پُر کردو
اپنی خوشبو کو میری ذات سے مشروط کرو
اپنی دھڑکنوں کے راگ میرے نام کردو
مجھے اپنے آپ میں بدل کر دل کے قریب لاؤ
ان بدلتی شاموں میں خود کو بے خود کردو
حیا سے جھکی پلکوں کو اٹھا کر میرے تقاضوں کو سمجھو
پیار کی بوندیں برسا کر میری محبت کو امر کردو
میرے پیار کے شجر کی آبیاری میں ہم نوا بنو
اقرارِ محبت کرکے مجھ پر موسم بہار کردو
میری محبت کو اپنے دل کے دامن میں سمیٹ لو
اپنے آپ کو میری محبت کے رنگ میں مدغم کردو
اپنے خوابوں کی دنیا میں بساؤ مجھے
اپنے آپ کو میرے لیے بے قرار کردو
اپنی محبت سے میرے دل کی دھڑکنیں پڑھ ڈالو
مجھے محبت کے یقین سے امر کردو

رضا اصغر..... خانیوال

''ہوں......''

''عمر صاحب کا فون ہے کب سے آپ کے سیل نمبر پر کال کررہے ہیں مگر آپ نے جواب نہیں دیا تو اب ادھر لینڈ لائن پر کال آئی ہے ان کی آپ کو بلا رہے ہیں۔''

''ٹھیک ہے تم جاؤ، میں آتی ہوں۔'' ملازمہ کی اطلاع پر گہری سرد آہ بھر کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''السلام علیکم۔'' لاؤنج میں فون کی سائیڈ پر دھرے ریسیور کو سرد برفیلی انگلیوں سے تھامتے ہی اس نے سلامتی بھیجی تھی۔

عمر نے سماعتوں میں اس کی آواز اترتے ہی سکون کی سانس لی۔

''وعلیکم السلام میں نے سوچا تھا شاید جب تمہاری بیٹی بڑی ہوجائے گی تو تم گدھے گھوڑے بیچ کر سونے والا مشغلہ ترک کردو گی مگر میں نہیں جانتا تھا کہ تم اپنے نام کی ایک ہی چیز ہو اب کہنے کو تو تمہارے نام کا مطلب نازک اندام لڑکی ہے مگر حقیقت میں ایسا ہے نہیں۔''

''اچھا...... بہت شکریہ اتنی قیمتی معلومات فراہم کرنے کا۔'' اپنے اندر کی اداسی چھپا کر وہ بھی پرانے انداز میں واپس لوٹی آئی تو عمر مسکرادیا۔

''میں نے صبح فون کیا تھا ملازمہ بتارہی تھی تمہارے سامنے کا ایک دانت گر گیا ہے۔ یقین مانو مریرہ مجھے بہت

افسوس ہوا مانا کہ اب لاٹھی کے سہارے چلنے والی عمر آ گئی مگر سامنے والا دانت ٹوٹ کر گرنا..... چچ چچ..... چچ کتنی عجیب لگوں گی ناں تم سب مذاق بنائیں گے۔" وہ تنگ کر رہا تھا۔

مریرہ چند لمحوں کے لیے اپنا دکھ بھول گئی۔

"تمہیں میری فکر میں اتنا گھلنے کی ضرورت نہیں ہے یونہی خوامخواہ چار پانچ کلو وزن کم ہو جائے گا۔ الحمدللہ میرے ابھی سارے دانت سلامت ہیں۔ قصہ مختصر تمہیں ابھی بھی کچا چبا سکتی ہوں۔"

"اوہو..... ابھی بھی اتنے خطرناک عزائم ہیں تمہارے۔"

"جی ہاں بالکل۔"

"اللہ معاف کرے پتا نہیں تمہارا نام مریرہ کس نے رکھ دیا تھا میرے حساب سے تو تمہارا نام جھانسی کی رانی ہونا چاہیے تھا۔"

"چلو، یہ نام تمہاری بیٹی کا رکھ دیں گے ساٹھ سے اوپر کے ہو رہے ہو ابھی بھی وقت ہے شادی کر لو نہیں تو کسی نے لاٹھی بھی نہیں پکڑانی ہاتھ میں۔"

"خیر ہے، دیکھا جائے گا، تمہارے نیک مشورے کا شکریہ ویسے میں نے تمہیں بہت مزے کی اطلاع دینے کے لیے فون کیا تھا۔"

"کیسی اطلاع۔"

"تمہارے بیٹے کو دیکھا تھا میں نے، یہاں لندن میں، یقین مانو مریرہ! ایک لمحے کے لیے تو میں بالکل ساکت رہ گیا۔ اتنے نین نقش چرائے ہیں تمہارے بیٹے نے تمہارے کہ ایک لمحے کے لیے تو میں اسے دیکھتا ہی رہ گیا بہر حال بہت خوب صورت اور ذہین بیٹا ہے تمہارا بالکل اپنی ماں کی طرح۔"

"شکریہ۔" عمر کی اطلاع پر وہ بہت کچھ کہنا اور پوچھنا چاہتی تھی مگر اس کا لہجہ اس کا ساتھ نہیں دے سکا تبھی محض شکریہ پر اکتفا کیا۔

"دری کیسی ہے۔" عمر جانتا تھا وہ اداس ہو گئی ہو گی تبھی فوراً سے پیشتر اس نے بات بدل دی اور مریرہ نے آنکھیں صاف کیں۔

"ٹھیک ہے اسی کی ضد پر پاکستان آئی ہوں اس بار۔"

"ہوں ظاہر ہے تم دوبئی کو کیسے چھوڑ سکتی ہو، آخر گھر میں چھپے خزانوں کی حفاظت بھی تو کرنی پڑتی ہے ناں؟" اس نے کہا اور مریرہ اس کی توقع کے عین مطابق کھل کر ہنس پڑی تھی۔

"شکر کچھ پھول تو جھڑے تمہاری ہنسی سے اب رکھتا ہوں بہت بل بن گیا ہے لگتا ہے اگلے پورے مہینے صرف بریڈ اینڈ جیم پر ہی گزارہ کرنا پڑے گا۔ دری آئے تو میرا پیار دینا اسے۔"

"ٹھیک ہے اللہ حافظ۔"

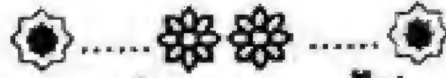
"اللہ حافظ۔" لائن کٹ گئی تھی۔

وہ شکستہ سی قریبی صوفے پر ڈھے گئی۔

کیا سوچتا ہو گا اس کا بیٹا اس کے بارے میں کہ وہ کیسی سنگ دل ماں تھی جس نے صرف اپنی ضد، اپنے غصے اپنے انتقام میں اسے خود سے الگ کر کے پھینک دیا..... مائیں تو موسموں کے سرد و گرم سے محفوظ رکھتی ہیں۔ معمولی سی معمولی چوٹ اور دکھوں پر اپنے آنچل میں چھپا کر سینے سے لگا کر اپنے بچوں کی ڈھارس بندھاتی ہیں۔ مگر وہ رویا

ہوگا تو اس نے کس کے آنچل میں پناہ ڈھونڈی ہوگی..... کس سے اپنے سارے دکھ اور جذبات شیئر کیے ہوں گے..... کس کے سینے سے لگ کر تنہائی کی راتوں میں بلک بلک کررو دیا ہوگا۔ صمید صاحب نے کیا بتایا ہوگا اسے کہ اس کی ماں کہاں ہے..... کیسے بتایا ہوگا کیوں وہ دونوں زندگی کی ڈگر پر ایک ساتھ نہیں چل سکے۔

وہ کیسی آندھیاں تھیں جو اپنے ساتھ ان کا گھروندہ بھی بہا کرلے گئی تھیں۔ وہ کیا حالات تھے جنہوں نے ان دو پیار کرنے والے دلوں کے درمیان صدیوں کی دیوار حائل کردی تھی..... ایسی دیوار جسے چاہتے ہوئے بھی پاٹا نہیں جاسکتا تھا۔



درمکنون اس رات بہت لیٹ گھر واپس آئی تھی..... مریہ بیگم نے ہلکے ہلکے بخار کے باوجود اس کے لیے خود اپنے ہاتھوں سے کھانا پکایا تھا اور اب آتش دان دہکا رہی تھیں۔

وہ فریش ہونے کے بعد وہیں چلی آئی۔

''السلام علیکم۔''

''وعلیکم السلام آج اتنی دیر کردی۔''

''سوری مما، اصل میں پارٹی خاصی لیٹ شروع ہوئی تھی وقار صاحب کا شوگر ڈاؤن ہوگیا تھا، مجھے اچھا نہیں لگا انہیں اس حال میں چھوڑ کر واپس آنے کا۔''

''پھر تو صیام بھی بہت لیٹ ہوگیا ہوگا؟''

''ظاہری سی بات ہے اس نے مجھے گھر ڈراپ کرکے ہی جانا تھا۔''

''مگر اس کا گاؤں بہت دور ہے پھر راستہ بھی اتنا دشوار گزار ہے تمہیں اس کا خیال کرنا چاہیے دری، وہ اپنے گھر کا واحد کفیل ہے۔''

''سو واٹ مما ملازم ہے تو کام تو کرنا پڑے گا اب میں صرف اس کی شکل وصورت و وجاہت پر پیسے تو نہیں دیتی اسے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے مگر انسانیت بھی تو کوئی چیز ہے بیٹا۔'' اب وہ اسے کیسے بتاتیں کہ صیام میں انہیں اپنا زاویار نظر آتا ہے۔

درمکنون اب کافی بنا رہی تھی۔

''میں سمجھتی ہوں اور اس کا کافی احساس بھی کرتی ہوں آپ پلیز پریشان نہ ہوں وہ چلا جائے گا۔''

''خدا کرے ایسا ہی ہو، پراجیکٹ کیسا رہا؟''

''اے ون بھلا آپ کی بیٹی نے آج تک کبھی شکست کا سامنا کیا ہے جو آج کرتی۔'' درمکنون کے لہجے میں گھمنڈ تھا اور مریہ کا دل یہ گھمنڈ دیکھ کر کانپ کررہ گیا۔

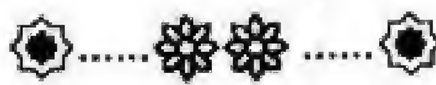
''ایسا نہیں کہتے بیٹے ہمیشہ جیتنے والوں کو جب وقت اپنی لپیٹ میں لیتا ہے تو خاک چٹا کر رکھ دیتا ہے ایسے منہ کے بل گراتا ہے کہ دوبارہ اٹھ کر اپنے پاؤں پر چلنے کی سکت بھی نہیں رہتی۔''

''آپ مجھے ڈرا رہی ہیں مما۔''

''نہیں مطلع کررہی ہوں مٹی سے بنے انسان کی پیشانی پر عاجزی کا جھومر ہی سجا رہے تو اچھا ہے۔''

''اوکے..... اب فٹافٹ کھانا لگوائیں میں نے وہاں کچھ بھی ٹھیک سے نہیں کھایا۔''

''میں جانتی تھی اسی لیے میں نے تمہارے لیے خود اپنے ہاتھوں سے کھانا پکایا ہے۔''
''واؤ اسی لیے تو کہتی ہوں میری مما بہت گریٹ ہیں۔'' وہ خوش ہوئی تھی۔
مریہ کے لبوں پر اداسی سی مسکراہٹ بکھر کر رہ گئی۔ وہ کھانا کھا رہی تھی جب مریہ نے اسے بتایا۔
''آج مسز ہمدانی کا فون آیا تھا ان کے میاں تمہاری ذہانت اور قابلیت سے بہت متاثر ہیں اسی لیے وہ چاہتے ہیں کہ تم ان کی فیملی کا حصہ بن جاؤ میرا مطلب ہے وہ اپنے بیٹے کے لیے تمہارا ہاتھ مانگنا چاہتے ہیں۔''
''پھر آپ نے کیا کہا؟''
''میں کیا کہہ سکتی تھی تم سے بات اور تمہاری رضا لیے بغیر کچھ بھی نہیں کر سکتی میں۔''
''نہیں مما، میری رضا لیے بغیر اور مجھ سے بات کیے بغیر آپ فوراً سے پیشتر کسی بھی ایسے پروپوزل کے لیے انکار کر سکتی ہیں۔''
''مگر کیوں، آخر ایسا کب تک چلتا رہے گا۔''
''جب تک مجھے کسی سے محبت نہیں ہو جاتی تب تک۔''
''فضول باتیں مت کرو دری، آج کل کے دور میں اچھے لڑکوں اور رشتوں کا ملنا بہت مشکل ہے۔''
''بالکل سچ کہا آپ نے مما مگر زندگی صرف ایک بار ملتی ہے میں اسے کسی ایڈونچر یا تجربے کی نذر نہیں کر سکتی بہتر ہے آپ اس موضوع کو یہیں ختم کر دیں...... پلیز۔''
''میں تمہاری ماں ہوں دری، تمہاری فکر کرنا فرض ہے مجھ پر۔''
''جانتی ہوں مگر آپ صرف میری ماں نہیں ہیں بلکہ میری ہمدم، میری ہمراز اور میری بہت اچھی دوست بھی ہیں اور پلیز مما اگر اب آپ نے اس موضوع کو یہیں ختم نہ کیا تو میں ابھی اسی وقت کھانا چھوڑ کر چلی جاؤں گی۔''
''ماں کو دھمکی دے رہی ہو۔''
''آف کورس۔''
''بہت بدتمیز ہو گئی ہو تم دری بتا رہی ہوں میں تمہیں۔''
''اس عزت افزائی اور تعریف کیلئے شکریہ عزیز از جان مام۔'' مزے سے کھانا کھاتے ہوئے اس نے مریہ کو چڑایا اور جواب میں مریہ نے خفگی سے منہ پھیر لیا۔
درمکنون جانتی تھی کہ یہ خفگی بہت زیادہ دیر تک برقرار رہنے والی نہیں، تبھی بے نیاز بنی کھانے سے انصاف کرتی رہی۔



بارش ٹوٹ کر برسی تھی۔
عائلہ آفس سے نکلی تو تھکن سے برا حال تھا۔
زاویار دو تین دن سے آفس نہیں آ رہا تھا مگر اس کے باوجود اس پر کام کا بہت پریشر تھا۔ وہ چاہتی تو جاب چھوڑ کر آرام سے گھر بیٹھ سکتی تھی مگر صمید حسن صاحب کی محبت اور مان کی وجہ سے وہ چاہتے ہوئے بھی ایسا نہیں کر سکتی تھی۔ آفس سے گھر پہنچتے عصر سے اوپر کا ٹائم ہو گیا تھا۔ وہ ابھی لاؤنج میں داخل ہوئی تھی کہ اس نے کرنل صاحب کو سدید سے کہتے ہوئے سنا۔
''میری شروع سے خواہش تھی کہ تم آئی ایس آئی جوائن کرو اس وطن کے ذرے ذرے سے اپنی محبت کا حق ادا

کرو، بہت زخم ہیں اس دھرتی کے سینے پر، شروع سے اب تک لہو رس رہا ہے اس کے ایک ایک عضو سے تمہیں اس لہو کا قرض چکانا ہے اپنا فرض ادا کرنا ہے دیکھو کوشش کرنا کبھی کسی بھی مرحلے پر تمہارے قدم کہیں ڈگمگا نہ جائیں۔''

''ایسا نہیں ہوگا بابا آپ کی خواہش پوری کرنے کے لیے میں ہر مشکل برداشت کرسکتا ہوں ویسے بھی میں خود جنون اور شوق کے اس رستے کا راہی ہوں آپ بس عائلہ سے فی الحال اس بات کا ذکر مت کیجیے گا۔''

''ٹھیک ہے نہیں کروں گا کیا تم نے شادی کے موضوع پر اس سے بات کی۔''

''نہیں بابا پتا نہیں کیوں میں جب بھی اس سے اس موضوع پر کوئی بات کرنا چاہتا ہوں ہمت جواب دے جاتی ہے یہ سوچ کر ہی کچھ ہونے لگتا ہے کہ کہیں وہ کسی اور میں انٹرسٹڈ نہ ہو۔''

''ہوں...... جب میں نے تمہاری آنکھوں میں اس کے لیے محبت دیکھی تھی تو میں بھی الجھ کر رہ گیا تھا۔ سمید اور مریہ کی کہانی ابھی پرانی نہیں ہوئی ہے میرے لیے، میں ڈرتا تھا کہیں پھر سے کچھ غلط نہ ہوجائے مگر پھر جب تمہارے جذبوں کی سچائی دیکھی تو عائلہ کے لیے تم سے بہتر کوئی لڑکا نہیں مل سکتا مجھے۔''

''ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا بابا پتا نہیں وہ اب تک آئی کیوں نہیں، موسم کے تیور بھی ٹھیک نہیں دیکھ رہے۔'' وہ اس کے لیے فکر مند تھا اور عائلہ نے اسی پل قدم آگے بڑھا دیے۔

''السلام علیکم۔'' سدید چونکا اور پھر عائلہ پر نظر پڑتے ہی مسکرا دیا۔

''وعلیکم السلام، شیطان کو یاد کرو تو وہ حاضر ہو جاتا ہے یہ پریاں کب سے یاد کرتے ہی حاضر ہونے لگیں؟''

''بس دل کو دل سے راہ ہونی چاہیے سب کچھ ہو جاتا ہے۔''

''ہوں یہ تو ہے میں ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی گھر آیا ورنہ تمہیں آفس سے پک کر لیتا۔''

''مہربانی کچھ کھانے کو ملے گا کہ نہیں؟'' وہ کرنل صاحب کے پہلو میں آ بیٹھی تھی سدید مسکرا دیا۔

''جب تک یہاں ہوں تب تک تو مل جائے گا جب چلا گیا تو پھر کوئی گارنٹی نہیں۔''

''تم کہیں نہیں جاؤ گے آئی سمجھ۔''

''اوکے چلو فریش ہو جاؤ آج باہر سے بریانی لایا ہوں مل کر کھاتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' خلاف توقع وہ فوراً ہی اٹھی۔

''اسی روز شام کے بعد جب کرنل صاحب اپنے کسی دوست کے ساتھ لان میں محفل جمائے بیٹھے تھے وہ سدید کے کمرے میں چلی آئی جو کمپیوٹر کے سامنے بیٹھا نجانے کس کام میں مصروف تھا۔

''سدید۔''

''ہوں۔'' وہ پلٹا تو عائلہ بیڈ کے کنارے پر ٹک گئی۔

''تم آئی ایس آئی جوائن کرنا چاہ رہے ہو۔'' وہ سوال جو اسے پچھلے تین گھنٹوں سے پریشان کر رہا تھا اس نے ڈائریکٹ پوچھ لیا کرنل صاحب اب لان میں نہیں تھے سدید نے کمپیوٹر آف کر دیا۔

''تمہیں پتا ہے آئی ایس آئی جوائن کرنے کا مطلب کیا ہے؟''

''ہوں آئی ایس آئی کا مطلب ہے اس وطن سے اس وطن کے ایک ایک ذرے سے اپنی سچی لگن اور دلی محبت کا صحیح اظہار، بنا اپنی جان اور عیش و آرام کی پروا کیے اپنے وطن کے لوگوں کی بقا کوئی میڈل، کوئی صلہ کوئی واہ واہ طلب کیے بغیر اس مٹی کے لیے اپنا وجود مٹی کر دینا۔''

''مگر میں تمہیں ایسا نہیں کرنے دوں گی، کبھی نہیں۔''

بنائی کیا خدا نے سوہنی صورت محمدؐ کی
ہوا عاشق وہ جس نے دیکھ لی صورت محمدؐ کی
کمال حسن یوسف پر فقط زلیخا تھی
خدا خود جس پر عاشق ہے وہ صورت ہے محمدؐ کی
مسلمانوں کو جب جنت کے دروازے پر روکیں گے
حکم ہوگا کہ جانے دو یہ امت ہے محمدؐ کی

زومر عطاریہ..... کراچی

''کیوں کیا تم محب وطن نہیں ہو؟''

''ہوں، مگر میں تمہیں کسی خطرے کا شکار ہوتے نہیں دیکھ سکتی سدید۔''

''پگلی ہو تم عائلہ خطروں سے کھیلنا تو ہم وطن کے رکھوالوں کا سب سے پسندیدہ، مشغلہ ہے وہ خون ہی کیا جو حق کی راہ میں نہ بہے۔''

''مگر تم ہی کیوں اور لوگ بھی تو ہیں وہ کیوں نہیں؟''

''اس راہ میں جلنے والے پروانوں کی کمی نہیں ہے عائلہ، اپنے حصے کا دیا ہر انسان کو خود ہی جلانا پڑتا ہے بس تم دعا کرو مجھ سے کہیں، کچھ بھی غلط نہ ہو، کچھ بھی ایسا کہ جب روز محشر میں اللہ رب العزت کے سامنے پیش ہوں تو میرا سر خوف اور ندامت سے جھکا ہوا ہو، میں اپنا فرض پوری ایمان داری سے نبھانا چاہتا ہوں برف پوش پہاڑوں سے عشق کے بعد اب زندگی کی مشکلات کے ساتھ کھیلنا چاہتا ہوں دیکھو کیا بنتا ہے؟''

''سدید پلیز چاہے کچھ بھی ہو جائے میں کبھی تمہیں اپنی جان یوں مشکلات میں ڈالنے کی اجازت نہیں دوں گی۔''

''نہیں عائلہ میں نے زندگی میں اس منصب تک پہنچنے کے۔ لیے بہت محنت کی ہے، بہت دعائیں مانگی ہیں بہت خواب دیکھے ہیں اور اب جوان خوابوں کی تعبیر پانے کا وقت آیا ہے تو تم مجھے پیچھے دھکیلنا چاہتی ہو پلیز اب ظلم مت کرو میرے ساتھ۔''

''مگر......''

''کچھ اگر مگر نہیں اللہ پر بھروسہ رکھو، سب ٹھیک ہوگا۔''

''گویا تم نے ٹھان لی ہے کہ تم میری بات نہیں مانو گے۔''

''او پگلی تمہاری بات نہ مان کر کدھر جانا ہے میں نے، ابھی تو صرف کوشش کر رہا ہوں کامیاب نہیں ہوا ہوں تم نے ایویں شور ڈالنا شروع کر دیا ہے خیر چھوڑو یہ بتاؤ کافی بناؤں تمہارے لیے۔''

''نہیں آفس میں پی لی تھی۔ البتہ تمہیں بنا دیتی ہوں۔'' کہتے ہی وہ اٹھ کر کچن میں چلی آئی تھی۔

''ہوں...... دوبارہ اس کھڑوس زاویار حسن نے پریشان تو نہیں کیا تمہیں؟''

''نہیں میں اب انکل کی ہدایت کے بعد ذرا کم ہی منہ لگتی ہوں اسے۔''

''گڈ، بہتر ہے تم اس کا سامنا ہی نہ کرو کوئی تم پر گرم نگاہ ڈالے میں بالکل برداشت نہیں کر سکتا۔''

''جانتی ہوں اسی لیے وہ جب بھی آؤٹ آف کنٹرول ہوتا ہے میں اسے اس کی اوقات یاد دلا کر رکھ

دیتی ہوں۔"
"ویری گڈ، مجھے تم سے یہی امید تھی۔" وہ مسکرایا تو عائلہ بھی مسکرادی کافی بن گئی تو اس نے کپ سدید کو تھما دیا۔
"چلو باہر لان میں چلتے ہیں سنا ہے آج بہت سرد ہوا چل رہی ہے۔"
"جی ہاں بالکل صحیح سنا ہے آپ نے ابھی آفس سے آتے ہوئے میری قلفی جمتے جمتے رہ گئی تھی۔"
"اوہ یار تھوڑی دیر اور باہر نہیں رہ سکتی تھیں تم ذرا میں بھی تو دیکھتا کہ تم قلفی بنی کیسی لگتی ہو؟"
"کل رک جاؤں گی پھر دیکھ لینا۔" سدید کی شرارت پر دائیں ہاتھ سے اس کے بال بکھیرتے ہوئے وہ کچن سے نکل آگئی۔ کرنل صاحب اپنے دوست کے ساتھ ہی گھر سے باہر نکل گئے تھے اور وہ دونوں سرد موسم کی پروا کیے بغیر باہر لان میں آبیٹھے۔
"ایک بات پوچھوں سدید سچ سچ بتاؤ گے۔"
"ہوں پوچھو؟" کافی کا بڑا سا گھونٹ بھرتے ہوئے اس نے خلاف توقع اسے فوری اجازت دی' تبھی عائلہ نے پوچھا۔
"تمہیں اب اپنی مما یاد نہیں آتیں۔" سدید کو امید نہیں تھی کہ وہ اس سے یہ سوال کرے گی تبھی مسکرا کر ٹالتے ہوئے بولا۔
"نہیں...... کیونکہ تم جیسی بلا کے سامنے ہوتے ہوئے کسی اور کو یاد کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"
"سدید پلیز میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔" اس نے احتجاج کیا تو سدید نے ساری کافی ایک ہی گھونٹ میں اندر اتار لی۔
"تم کیوں میرے زخم ادھیڑنا چاہتی ہو عائلہ؟"
"زخم نہیں ادھیڑ رہی میں ان چنگاریوں سے کھیلنا چاہتی ہوں جو تم نے اپنے سینے میں، ہنسی مذاق کی راکھ تلے دبا رکھی ہیں سدید۔"
"مگر کیوں؟"
"بس دل چاہ رہا ہے۔"
"کبھی کبھی تم بہت پریشان کرتی ہو عائلہ، جانتی بھی ہو کہ یہ دبی ہوئی چنگاریاں ہوا کی زد میں آئیں تو میں ساری رات سو نہیں پاؤں گا۔"
"ہوں، جانتی ہوں مگر مجھے تم سے تمہارے گزرے کل کی کہانی سن کر بہت اچھا لگتا ہے ان فیکٹ مجھے تم سے محبت کا احساس بھی اسی وقت ہوا تھا جب پہلی بار میں نے تمہیں گراؤنڈ میں زمین پر اکیلے بیٹھے روتے ہوئے دیکھا تھا۔"
"تم کہنا چاہتی ہو کہ تمہیں مجھ پر ترس آیا تھا؟"
"نہیں، میں کہنا چاہتی ہوں کہ اس روز میں نے جانا تھا تم کتنے بہادر انسان ہو اندر ڈھیروں کرب چھپائے اوپر سے مطمئن اور خوش رہتے ہو، بالکل سمندر کی طرح۔" پہلی بار وہ اس کی تعریف کررہی تھی مگر سدید خاموش تھا۔
"کیا اتنے سالوں میں کبھی تمہارا اپنی مما سے سامنا نہیں ہوا؟"
"ہوا تھا مجھے وہ پچھلی بار عید پر مارکیٹ میں نظر آئی تھیں۔"
"واؤ...... پھر۔"

انمول باتیں

❖ کسی دوست کو فضول نہ سمجھو کیونکہ جو درخت پھل نہیں دیتا وہ سایہ ضرور دیتا ہے۔
❖ اچھا دوست ہاتھ اور آنکھ کی طرح ہوتا ہے جب ہاتھ کو تکلیف ہوتی ہے تو آنکھ روتی ہے اور جب آنکھ روتی ہے تو ہاتھ آنسو صاف کرتا ہے۔
❖ جو عیب سے واقف کرے وہ دوست ہے اور زبان پر تعریف کرنا ذبح کرنے کے برابر ہے۔
❖ جفاکشی کے سمندر کی تہہ کامیابی کے موتیوں سے بھری پڑی ہے۔
❖ پستی کو حقیر مت جانو کیونکہ اس نے بلندی کا بوجھ اٹھا رکھا ہے۔
❖ خوش رہنے کا ایک طریقہ یہ بھی کہ اپنی ضرورتیں کم کرو۔
❖ کامیابی کی اولین شرط خود اعتمادی۔
❖ انسان کو دریا کی طرح سخی، سورج کی طرح مہربان اور زمین کی طرح نرم ہونا چاہیے۔

کامران خان...... کوہاٹ

''پھر کیا، میں دامن بچا کر نکل گیا۔''
''مگر کیوں، تمہیں ان کا حال احوال تو پوچھنا چاہیے تھا۔''
''کیوں پوچھتا میں ان کا حال احوال، کیا انہوں نے کبھی میرا حال جاننے کی کوشش کی؟ میرے بارے میں سوچا، میری فکر کی، میرا خیال کیا، نہیں...... انہوں نے کبھی ایک لمحے کے لیے بھی میرے بارے میں سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کی حالانکہ میں ان کے جگر کا ٹکڑا تھا وہ پہلا بیٹا جسے پورے نو ماہ انہوں نے اپنے وجود کے اندر رکھا مگر پھر بھی وہ مجھے دنیا کی ٹھوکروں میں بے یار و مددگار چھوڑ کر چلی گئیں کیا وہ نہیں جانتی تھیں کہ دنیا میں ماں سے بڑھ کر کسی بھی انسان کا کوئی اپنا نہیں ہوتا۔'' اس کے سینے میں دبی چنگاریوں کو ہوا لگ چکی تھی۔ عائلہ نے آہستہ سے اپنا سرد ہاتھ اس کے مضبوط ہاتھ پر رکھا۔
''میرے لیے وہ رات بہت کٹھن تھی جب میرے پاپا کا روڈ ایکسیڈنٹ ہوا حالانکہ اس وقت صرف پانچ سال کا تھا میری سوچ اور دنیا بہت محدود تھی مگر پھر بھی میں چپ نہیں ہو رہا تھا صرف اس لیے کہ پاپا اٹھ کر میرے ساتھ کھیل کیوں نہیں رہے تھے، وہ تو میری کوئی فرمائش نہیں ٹالتے تھے انہوں نے کبھی میری آنکھ میں آنسو آنے نہیں دیتے تھے بہت ضروری میٹنگ میں ہوتے تب بھی میری صرف ایک کال پر گھر بھاگے آتے...... اور اس وقت...... اس وقت میں انہیں پکار رہا تھا مگر وہ میری پکار نہیں سن رہے تھے دادی، پھپھو مما سب مجھے اپنے اپنے سینے میں بھینچ کر رو رہے تھے اور مجھے ان کے یوں رونے سے اور بھی رونا آ رہا تھا۔ نہ صرف رونا آ رہا تھا بلکہ بہت غصہ بھی آ رہا تھا کہ وہ سب ہمارے گھر آ کر شور کیوں ڈال رہے ہیں۔ مگر پھر بھی اس رات میں سو گیا تھا مما کی نرم گرم آغوش نے کب میرے حواس چھینے، پتا ہی نہیں چلا اگلے تین روز کے بعد جب نانا ابو نے دادی ماں سے یہ کہا کہ وہ اب اپنی بیٹی کو اپنے ساتھ لے جا کر رہیں گے دادی چاہیں تو مجھے یعنی اپنے اکلوتے بیٹے کی نشانی کو اپنے پاس رکھ سکتی ہیں اور اس پر جو دادی ماں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے تھے انہیں دیکھ کر بھی میں رو پڑا تھا۔ مجھے اس وقت پتہ ہی نہیں تھا کہ مما ایک رئیس باپ کی لاڈلی بیٹی تھی جنہوں نے اپنے والدین کی مخالفت کر کے میرے غریب باپ سے شادی صرف اس لیے کی کیونکہ وہ ان سے محبت کرتی تھیں۔ پاپا کا چھوٹا سا گھر جسے نانا ابو پنجرہ کہتے تھے مما کے لیے محبت کا

پنجرہ تھا جس میں وہ اپنی رضا سے قید ہوئی تھیں۔ مگر پاپا کی رحلت کے ساتھ ہی محبت کے اس پنجرے کا دروازہ بھی کھل گیا تھا اور مما وہاں بنا کسی کی محبت کسی کے جذبات کا احساس کیے اپنی عدت کا لحاظ کیے تین دن بھی نہیں ٹھہری تھیں۔ دادی ماں کو روتے بلکتے چھوڑ کر وہ مجھے اپنے ساتھ لیے نانا ابو کے گھر آ گئیں تھیں وہ گھر جہاں ان کے دو عدد بھائیوں کی فیملیز موجود تھیں۔ پہلی بار جب بڑے ماموں کے بیٹے نے مجھے دھکا دیا اور میرا دانت ٹوٹا تب میں نے مما کو رو رو کر شکایت کی تھی اور پتا ہے عائلہ میری شکایت پر میری مما نے نہ صرف ماموں کے بیٹے کو زور کا چانٹا مارا بلکہ مامی کے ساتھ بھی بہت جھگڑا کیا بعد میں نانا ابو اور ماموں سے الگ ان کی انسلٹ کرائی مگر اسی گھر میں ٹھیک تین سال بعد جب مامی نے جان بوجھ کر میری پیٹھ جلائی تو وہاں ان سے جھگڑا کرنے کے لیے میری مما نہیں تھیں۔ بے قصور جلنے کے باوجود مامی نے مجھے ہی نانا ابو اور ماموں سے ڈانٹ پڑوا کر اپنا پرانا حساب چکتا کیا تھا۔'' سدید کی آنکھوں کے گوشے ہلکے ہلکے سرخ ہو رہے تھے اور عائلہ سن سی بیٹھی اسے دیکھتی رہی۔

''میں نے سنا تھا دنیا میں جن کی مائیں نہیں رہتیں ان کے لیے سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔ مگر میرے ساتھ یہ حقیقت الٹ ہو گئی تھی میری ماں زندہ تھی دنیا میں موجود تھی مگر پھر بھی میرے لیے سب ختم ہو گیا تھا پاپا کی رحلت کے ساتھ ہی میری دنیا برباد ہو گئی تھی۔'' وہ اب بکھر رہا تھا اور عائلہ چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔

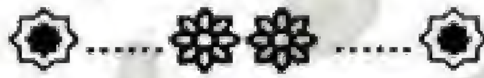
کتنے رخنے، کتنی ٹوٹ پھوٹ اور پڑاؤ تھے اس شخص کے اندر...... وہ ابھی شاید کچھ اور بھی شیئر کرتا مگر اسی وقت اچانک ہی پھر سے شروع ہونے والی بارش نے اسے درد کی دنیا سے نکال کر پھر سے حقیقت حال میں لا کھڑا کیا تھا۔

''اوہ نو، یار میں نے ابھی کپڑے تبدیل کیے تھے۔'' وہ فوراً کھڑا ہوا اور عائلہ ہنس دی۔

''اچھا ہوا مجھے تمہارا یہ سوٹ بالکل پسند نہیں۔''

''جانتا ہوں ہو بھی کیسے سکتا ہے آخر میری پیاری معصوم سی محبوبہ کا گفٹ جو ہے۔''

''بس، بس بڑی آئی معصوم بہت اچھی طرح سے جانتی ہوں میں اسے جتنی وہ معصوم ہے۔'' سدید کی کسی اور کے لیے تعریف نے عائلہ کا خون جلایا اور وہ مسکرا کر اس کی ناک دباتا جلدی سے اندر کی طرف بڑھ گیا۔



طویل تر ہے سفر تمہیں کیا؟
میں جی رہا ہوں مگر تمہیں کیا؟
مگر تمہیں کیا کہ تم تو کب سے
میرے ارادے گنوا چکے ہو
جلا کے سارے حروف اپنے میری دعائیں بجھا چکے ہو
میں رات اوڑھوں کہ صبح پہنوں تم اپنی رسمیں اٹھا چکے ہو
سنا ہے سب کچھ بھلا چکے ہو
تو اب اس دل پر بھی جبر کیسا؟
یہ دل تو حد سے گزر چکا ہے
خزاں کا موسم ٹھہر چکا ہے
ٹھہر چکا ہے مگر تمہیں کیا

چار چیزیں

امام ابن خیام نے طب نبوی میں فرمایا ہے۔

☆ چار چیزیں ہیں جو بدن کو تباہ کردیتی ہے۔

غم، رنج، بھوک، رات کا جاگنا

☆ چار چیزیں ایسی ہیں جو چہرے کی تازگی ختم کردیتی ہے۔

جھوٹ، بے حیائی، کثرت گناہ، جاہلانہ سوال

☆ چار چیزیں ایسی ہیں جو چہرے کی رونق کو بڑھا دیتی ہے۔

خوش اخلاقی، ایمانداری، شرافت، تقویٰ

فائزہ اظہر......بلوچستان

کہ ان خزاں میں، میں جس طرح کے بھی خواب دیکھوں
جس طرح کے بھی خواب دیکھوں، مگر تمہیں کیا؟

رات آدھی سے زیادہ ڈھل چکی تھی اور اوپر آسمان پر ڈھیروں ستاروں کی جھرمٹ میں جگمگاتا چاند، بادلوں کو شکست دیتا اپنی فتح کا جشن منا رہا تھا مگر اس کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔

کروٹ پر کروٹ بدلتے ہوئے وہ پچھلے تین چار گھنٹوں سے چاند کی بادلوں کے ساتھ آنکھ مچولی دیکھ رہا تھا۔ کبھی بادلوں کا کوئی ٹکڑا چاند اور ستاروں کی تابناکی کو چھپالیتا تو کبھی چاند بادلوں کی اوٹ سے نکل کر یوں مسکراتا دکھائی دیتا جیسے بادلوں کو پچھاڑنے پر خوش ہو رہا ہو۔

مگر چاند اس کا حاصل نہیں تھا......اس کا حاصل وہ تصور تھا جس نے اب تک اسے بے کل کیا ہوا تھا۔

آج کی شام وقار الحسن کے گھر پارٹی میں جس وقت درمکنون نے اس کا ہاتھ تھاما اس کا پورا وجود اس لمحے جیسے سن ہوگیا تھا۔

وہ لڑکی جسے وہ صرف سوچ سکتا تھا چاہ سکتا تھا مگر پا نہیں سکتا تھا اسی لڑکی نے اس کا ہاتھ تھام کر جیسے اسے فریز کردیا تھا اور پھر پارٹی میں ہر پل وہ اس کے ساتھ ساتھ رہی تھی۔ اس نے ہر معاملے میں اس کے مشورے کو اہم جانا تھا وقت رخصت جب وہ گاڑی ڈرائیور کررہا تھا تو درمکنون کا دوپٹہ ہوا سے بار بار اس کے بازو کو چھو رہا تھا اور اسے یہ لمحے کتنے اچھے لگ رہے تھے کوئی اس کے دل سے پوچھتا۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ کچھ عرصہ قبل تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد جب وہ جاب کی تلاش میں نکلا تو اسے کتنی جوتیاں چٹخانی پڑی تھیں۔ مسلسل ناکامی نے اس کے حوصلے پست کردیئے تھے۔

تبھی ایک دوست کے مشورے پر ساری عمر کی جمع پونجی ماں کے خاندانی زیور اور کچھ گھر کا ساز و سامان بیچ کر اس نے بیرون ملک ویزے کے لیے اپلائی کردیا۔ نصیب کی بدنصیبی نے یہاں بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑا اور وہ کمپنی جس کی توسط سے اس نے ویزے کے لیے اپلائی کیا تھا فراڈ نکلی یوں جو رہا سہا حوصلہ تھا وہ بھی جاتا رہا۔ اسے اچھی طرح سے یاد تھا کہ اس واقعے کے پندرہ روز تک وہ چارپائی پر بخار میں نڈھال پڑا رہا تھا۔ جب اس کے یونیورسٹی فیلو حنان کو اس کے حالات کا علم ہوا اس نے مریرہ بیگم سے اس کی شرافت، کردار اور ایمان داری کی سفارش کر کے اسے درمکنون کا پرسنل سیکرٹری رکھوادیا۔

تب سے اب تک اس نے اپنا فرض اور ڈیوٹی پوری جانفشانی سے نبھانے کی کوشش کی تھی کبھی ایک لمحے کے لیے بھی اس کے دل میں درمکنون کے لیے غلط خیال نہیں آیا تھا وہ اپنی جان سے بڑھ کر اس کی عزت کرتا تھا۔
درمکنون کا اسٹیٹس اور اس کے حالات بھی کبھی اس کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوئے تھے۔ مگر...... وہ دل سے ہار گیا تھا...... درمکنون کی خوبیوں اور اس کی منفرد سی بے حد شاندار شخصیت نے کب اس کے دل کو اپنی گرفت میں دبو چا اسے خبر ہی نہیں ہوسکی۔ اور اب یہ حال تھا کہ اسے ایک دن بھی دیکھے بغیر اسے چین نہیں آتا تھا۔ اس نے اپنے جذبے سب سے چھپا کر رکھے تھے اور وہ مرتے دم تک انہیں چھپا کر ہی رکھنا چاہتا تھا کیونکہ جانتا تھا دولت اور حسن کے دیوانوں میں دل کے سچے جذبوں کی ہمیشہ توہین ہوئی ہے۔ تاہم اسے اپنے انمول جذبوں کی توہین کسی صورت گوارا نہیں تھی...... تبھی وہ چپ تھا۔
اگلے روز کی صبح معمول کے مطابق ہوئی تھی۔ اماں نماز قرآن کی تلاوت سے فارغ ہو کر ابا کی تیمارداری میں لگ گئیں جبکہ عشرت ناشتہ بنانے میں مصروف تھی شگفتہ نے جھاڑو پکڑ رکھی تھی اور وہ روز کی مانند اس ٹوٹے پھوٹے کرائے کے گھر کو چمکانے میں مصروف تھی۔
وہ اٹھ کر سب پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالنے کے بعد واش روم کی طرف بڑھ گیا جس میں موجود واحد نل پچھلے کافی دنوں سے لیک کر رہا تھا مگر اسے اتنی فرصت ہی میسر نہیں تھی کہ وہ اسے ٹھیک کرا سکتا۔ فریش ہو کر آیا تو عشرت نے اس کا ناشتا لا کر چارپائی پر رکھ دیا۔
صیام کو ناشتے میں پراٹھا پسند تھا مگر پچھلے تین چار ماہ سے جو گھر کے حالات چل رہے تھے وہاں وہ یہ عیاشی افورڈ نہیں کر سکتا تھا۔ عشرت کو اس کی پسند کا علم تھا تبھی کچھ روز تک وہ ہانڈی کا گھی بچا بچا کر اسے روزانہ ایک پراٹھا بنا کر دیتی رہی تھی مگر اب یہ بھی محال ہو گیا تھا۔ تبھی اس نے پراٹھا چھوڑ دیا۔ وہ ناشتے کے لیے بیٹھا تو اماں بھی اس کے قریب آ بیٹھیں۔
''صیام پتر رات بہت دیر کر دی تھی تو نے گھر واپسی میں، میرا دل بہت ڈولتا رہا، تیری مالکن سے کہنا ذرا جلدی چھٹی دے دیا کرے آج کل حالات اچھے نہیں ہیں۔''
''مجبوری ہے اماں میری نوکری ہی ایسی ہے کہ ہر پل میڈم کے ساتھ رہنا پڑتا ہے اب وہ وہاں پارٹی میں تھیں میں انہیں اکیلا چھوڑ کے کیسے آ سکتا تھا۔''
''وہ تو ٹھیک ہے پتر، مگر ماں کا دل ان سب باتوں کو نہیں سمجھتا، اوپر سے تیری بائیک بھی ٹھیک نہیں، کبھی بھی کہیں بھی خراب ہو جاتی ہے۔''
''اللہ مالک ہے اماں جب میں گھر سے باہر ہوتا ہوں تو آپ کی دعائیں کسی حصار کی صورت میرے اردگرد رہتی ہیں۔ آپ پریشان نہ ہوا کریں پلیز۔''
''کیسے پریشان نہ ہوں پتر، ایک تو ہی تو میرے جینے کا واحد سہارا ہے کل پھر شگفتہ کی ساس کا فون آیا تھا تاریخ مانگ رہی تھی شادی کی، میں نے کہا میں نے اپنے بیٹے کو بتا دیا ہے وہی تاریخ طے کرے گا۔''
''ہوں آپ انہیں تاریخ دے دیں اماں، میں آفس میں حنان سے بات کرتا ہوں اسی کی سفارش پر یہ جاب ملی تھی۔ اب امید ہے وہ سفارش کرے گا تو کچھ قرض بھی مل جائے گا۔''
''قرض تو ابھی پہلے والا بھی نہیں اترا پتر۔''
''جانتا ہوں مگر مجبور ہوں اماں۔ میرے پاس دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے ابھی ایک دوست سے میں نے ایک

حکمت کی باتیں

جب دو آدمی کسی مسئلے پر بحث کے بغیر متفق ہو جائیں تو ثابت ہوتا ہے کہ دونوں بے وقوف ہیں۔ (برنارڈ شاہ)

چاپلوس اس لیے آپ کی چاپلوسی کرتا ہے کیونکہ وہ آپ کو بے وقوف سمجھتا ہے لیکن آپ اس کے منہ سے ایسی تعریف سن کر بہت خوش ہوتے ہیں۔ (ماسٹائی)

ایک بار اعتماد اور اعتبار کو زخم آ جائے تو پھر اظہار افسوس مرہم کا کام نہیں دے سکتا۔

لگن کے بغیر کسی میں ذہانت پیدا نہیں ہوتی۔

چالاکی دانائی نہیں ہے۔ (یوری ہائڈز)

سب سے بڑی چالاکی یہ ہے کہ اپنی چالاکی کو کیسے چھپایا جائے۔ (کفوکالڈ)

کتابیں جوانی میں رہنما بڑھاپے میں تفریح اور تنہائی میں رفیق ثابت ہوتی ہے۔ (البیرونی)

صباحت مرزا...... گجرات

ورکشاپ میں کام کے لیے کہا ہے دعا کرنا بات بن جائے روزانہ کے دو تین سو تو مل ہی جائیں گے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے پتر مگر ورکشاپ پر کام مل گیا تو پھر جلدی گھر کیسے آؤ گے ہمارے گاؤں کا تو راستہ بھی بہت خطرناک اور سنسان ہے۔"

"کوئی بات نہیں اماں اب گھر کا واحد کفیل ہوں تو کچھ نہ کچھ تو کرنا پڑے گا ناں، اللہ کرم کرنے والا ہے وہی بہترین محافظ ہے آپ پریشان نہ ہوں سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"اللہ تجھے سلامت رکھے میرے پتر، تیرے ہوتے بھلا میں کیسے پریشان رہ سکتی ہوں۔" ماں جی اس کی تسلی پر دعائیں دیتی اٹھ گئی تھیں۔

صیام جلدی جلدی ناشتہ ختم کر کے آفس کے لیے نکل گیا تھا۔



درمکنون میٹنگ میں بیٹھی تھی۔

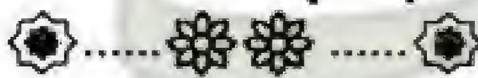
آج کل نئے پروجیکٹ پر وہ کام کر رہی تھی اس میں دو تین لوگ اسے مددگار تھے انہی دو تین لوگوں میں سے یک احزار سکندر تھا جو درمکنون کی ٹکر کا بزنس مین تھا اور پورے دل و جان سے اس پر فدا تھا۔

صیام اس کی نظروں کی گہرائی پہچانتا تھا تبھی اسے احزار سکندر سے سخت چڑ تھی۔ اس کا بس نہ چلتا تھا کہ وہ اسے کہیں غائب کرا دیتا۔

اس وقت میٹنگ میں بھی وہ درمکنون کے مقابل بیٹھا اور اس کی نظریں بار بار درمکنون کے چہرے اور دوپٹے کے بغیر دعوت نظارہ دیتے کھلے گریبان پر پھسل رہی تھی۔ درمکنون اس کی طرف متوجہ نہیں تھی تبھی اسے پتا نہیں چل سکا تاہم صیام کی نظریں اسی پر تھیں۔ ہر گزرتے پل کے ساتھ اس کا خون جیسے کھول رہا تھا۔ وہاں میٹنگ میں کون کیا بول رہا ہے نہ اسے سنائی دے رہا تھا نہ کچھ دکھائی دے رہا تھا کافی دیر ضبط کے بعد وہ اچانک اٹھ کھڑا ہوا اور ایکسکیوز کرتا میٹنگ چھوڑ کر باہر نکل گیا۔

درمکنون جس وقت میٹنگ سے فارغ ہو کر آئی وہ گاڑی میں بیٹھا جانے کن سوچوں میں گم تھا۔

''کیا ہوا میٹنگ چھوڑ کر کیوں آ گئے آپ؟'' وہ متفکر بھی تھی اور برہم بھی۔
صیام نے بمشکل خود کو سنبھالا۔
''میری طبیعت اچانک خراب ہوگئی تھی ایم سوری۔''
''اوہ اب کیسا فیل کررہے ہیں آپ؟''
''اب ٹھیک ہوں۔'' وہ اس کی طرف دیکھنے سے گریز کررہا تھا۔ پھر درمکنون گاڑی میں بیٹھ گئی۔
''کوئی مسئلہ تو نہیں ہے ناں؟''
''نہیں......!'' وہ گاڑی اسٹارٹ کررہا تھا۔ درمکنون نے کسی کو کال ملائی۔
تقریباً پندرہ بیس منٹ کے بعد اس کی کال ختم ہوئی تو صیام بول اٹھا۔
''ایک بات کہوں اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔
''ہوں کہیے۔'' وہ اب اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔
صیام نے چند لمحے خاموش رہنے کے بعد بمشکل لب کھولے۔
''میری نظر میں آپ بہت اچھی لڑکی ہیں میڈم، آپ جیسی لڑکیاں بے حجاب اچھی نہیں لگتیں۔''
''کیا مطلب کیا آپ کو میں کہیں سے عریاں نظر آرہی ہوں۔''
''میرا وہ مطلب نہیں ہے، میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ یہاں کچھ لوگوں کی نظریں بہت گندی اور میلی ہیں اسی لیے اگر آپ دوپٹا استعمال کریں تو بہت اچھی لگیں گی۔'' وہ بہت سنجیدگی کے ساتھ دھیمے لہجے میں بول رہا تھا اور درمکنون اسے دیکھتی رہ گئی۔
وہ شخص اس کا شوہر نہیں تھا، باپ اور بھائی بھی نہیں تھا پھر...... پھر اسے اس کی عزت کی اتنی پروا کیوں ہورہی تھی؟ وہ صرف ملازم تھا اسے صرف اپنی تنخواہ سے مطلب ہونا چاہیے تھا پھر وہ اس کی عزت اس کے حجاب کی فکر کیوں کررہا تھا وہ سوچتی رہ گئی تھی۔
صیام اپنے دھڑکتے دل کی منتشر دھڑکنوں پر قابو پاتا گاڑی آگے بڑھا لے گیا۔



اس روز زاویار مارکیٹ آیا تھا۔
سنڈے کی چھٹی تھی اور پریہان اس کے ساتھ تھی۔ اسی کی ضد اور خوشی کے لیے وہ اپنے تمام ضروری کام پس انداز کر کے مارکیٹ آیا تھا کیونکہ پریہان کو اسی کے ساتھ اپنی شادی کی شاپنگ کرنی تھی۔
صمید صاحب آج کل بزنس کے سلسلے میں ملک سے باہر تھے۔
وہ تقریباً تین گھنٹے اس کے ساتھ مختلف شاپنگ مالز میں خوار ہوتا رہا تھا۔ جب ایک بوتیک میں داخل ہوتے ہی اس کی نظر عائلہ علوی پر پڑی۔
پریہان کی طرح وہ بھی وہاں شاید اپنے لیے شاپنگ کررہی تھی۔ مگر وہ چونکا تھا جب عائلہ نے مردانہ شرٹ کی ڈیمانڈ کی تھی۔
پریہان کی نظر اب بھی اس پر نہیں پڑی تھی وہ اپنے ہی ملبوسات کی پسند ناپسند کے چکر میں الجھی ہوئی تھی۔
زاویار کے اندر تک کڑواہٹ گھل گئی اور عائلہ سیلز مین سے کہہ رہی تھی۔
''مجھے یہ شرٹ بہت پسند ہے مگر اس کی قیمت بہت زیادہ ہے میں افورڈ نہیں کرسکتی اس لیے آپ پلیز وہ بلیک

والی ہی پیک کردیں۔"
"جی میم۔" سیلز مین اس کی ہدایت پر پلٹ تو زاویار نے نظریں پھیر لیں۔
اسے اب اس لڑکی پر غصہ آرہا تھا وہ کیوں ہر جگہ مظلومیت اور غربت کا اشتہار بننے کی کوشش کرتی رہتی تھی۔ اگر پیسے نہیں تھے تو اتنے مہنگے بوتیک میں گھسنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ آخر وہ لڑکی اپنی اوقات میں کیوں خوش نہیں رہتی تھی۔ اور پتا نہیں وہ بھی کون تھا جس کے لیے وہ اتنی مہنگی شرٹ خریدنے کی خواہش رکھتی تھی وہ ابھی سوچ ہی رہا تھا جب اچانک پرہیان نے اسے دیکھ لیا۔
"ارے عائلہ تم یہاں......؟" اس کی پکار پر عائلہ بھی فوراً پلٹی تھی۔
"ہوں اور تم یہاں کیسے؟"
"میں بھیا کے ساتھ شاپنگ کے لیے آئی تھی اور تم؟"
"میں اکیلی آئی ہوں بابا کی طبیعت ٹھیک نہیں اور سدید کسی ضروری کام کے سلسلے میں شہر سے باہر گیا ہے ویسے بھی پرسوں اس کا برتھ ڈے ہے میں اسے بہت اچھے طریقے سے وش کر کے سرپرائز دینا چاہتی ہوں۔"
"ہوں اسے وش نہیں کروگی اور کیسے کروگی۔ اس کے لیے تمہارا بس چلے تو پوری کائنات اٹھا کر گفٹ کردو یہ چیزیں تو بہت معمولی معنی رکھتی ہیں۔"
"بالکل صحیح کہا تم نے اچھا بتاؤ تم نے اپنے لیے کیا خریدا۔"
"ابھی تو کچھ بھی پسند نہیں آیا چند ڈریسز دیکھے ہیں مگر سمجھ نہیں آرہی کہ کون سا مجھ پر زیادہ سوٹ کرے گا پلیز تم میری ہیلپ کرو۔" وہ عائلہ کا ہاتھ تھام کر کہہ رہی تھی پھر اس سے پہلے کہ زاویار کچھ کہتا وہ عائلہ کو جلدی سے لفٹ سائیڈ پر لے گئی جہاں اس نے اپنی پسند کے چند ڈریسز نکلوائے تھے۔
"واؤ یار! تمہاری چوائس تو بہت اچھی ہے یہ ریڈ والا سوٹ بہت اچھا لگے گا تم پر سچ میں۔"
"مگر یار یہ بہت ہیوی ہے۔"
"تو کیا ہوا تم نے شادی کے بعد ہی پہننا ہے ناں بلکہ میں تو کہتی ہوں ویسے والے دن پہننا بہت پیاری لگو گی۔" وہ اپنی رائے دے رہی تو پرہیان نے اس کی پسند کا سوٹ اوکے کردیا۔
"یہ بلیک والا دیکھو کیسا رہے گا۔"
"بے حد خوب صورت ابھی تین روز پہلے میں نے یہ ڈریس دیکھا تھا اور ساری رات یہی ڈریس میری آنکھوں کے سامنے گھومتا رہا پلیز تم یہ لازمی لو۔"
"تم نے کیوں نہیں لیا۔"
"میں پینتالیس ہزار افورڈ نہیں کرسکتی تھی تم تو جانتی ہو بابا کی بیماری اور سدید کی تعلیم پر بہت زیادہ پیسے خرچ ہوئے ہیں ایسے میں ایسی عیاشی کیسے افورڈ کرسکتی ہوں۔" وہی اس کا پرانا رونا، زاویار کا بس نہ چلتا تھا کہ وہ اسے اچھی خاصی سنادے جب پرہیان بول اٹھی۔
"پاگل ہو تم عائلہ تم مجھے تو بتاتیں ایک بار، پاپا کھڑے کھڑے ایسے دس سوٹ لے کر دے دیتے تمہیں، خیر اب یہ سوٹ میں تمہیں گفٹ کررہی ہوں اور تم یہ میری شادی میں پہنوگی، آئی سمجھ۔"
"نہیں یار میں ہرگز یہ سوٹ نہیں لے سکتی۔"
"عائلہ پلیز، میں آج بہت خوش ہوں، لہٰذا پلیز میرا موڈ خراب مت کرو، بھیا کا بہت وقت برباد کیا ہے میں

نے تھوڑی بھی دیر مزید ہوئی تو وہ غصہ کرنا شروع کردیں گے۔ لہٰذا پلیز چپ رہو۔''
''مگر......!''
''کچھ اگر مگر نہیں بس چپ۔'' وہ بضد رہی تو عائلہ نے ہار مان لی۔
زاویار کے تن بدن میں آگ لگ گئی مگر وہ اس وقت وہاں بوتیک میں کوئی بھی تماشہ کھڑا کرنا نہیں چاہتا تھا تبھی خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔
پرہیان نے شاپنگ مکمل کی اور وہ بل پے کرکے بوتیک سے باہر نکل آیا۔
''چلو لنچ کرتے ہیں یار بہت بھوک لگی ہے۔''
''نہیں مجھے گھر پہنچنا ہے بابا انتظار کررہے ہوں گے۔'' عائلہ نے عذر پیش کیا جسے پرہیان نے رد کردیا۔
''مجھے کوئی بہانہ نہیں سننا پلیز۔'' وہ آج ضد کے موڈ میں اور عائلہ کو ہتھیار پھینکنے ہی پڑے تھے۔
زاویار گاڑی میں بیٹھ رہا تھا جب پرہیان نے اس سے کہا۔
''بھیا مجھے بھوک لگی ہے اگر آپ غصہ نہ ہوں تو پلیز کسی اچھے سے ریسٹوران میں لے چلیے پلیز۔'' پرہیان کے ساتھ عائلہ کو دیکھ کر اس کی پیشانی پر بل پڑے تھے مگر وہ جانتا تھا اگر ابھی اس نے اپنے اندر کا غبار نکالنا شروع کیا تو پرہیان کھانا نہیں کھائے گی اور کچھ شک نہیں کہ وہ شدید ہرٹ بھی ہوجائے۔ تبھی خود پر جبر کرتا چپ چاپ اثبات میں سر ہلا گیا۔
صرف عائلہ کی وجہ سے اس نے دانستہ ایک درمیانے درجے کے ہوٹل کے سامنے گاڑی روکی تھی۔ وجہ صرف عائلہ علوی کو اس کی اوقات باور کرانا تھی ورنہ وہ کبھی بھی اپنی فیملی کے ساتھ ایسے ہوٹلوں میں کھانا نہیں کھاتا تھا۔ پرہیان نے بھی یہ بات محسوس کی تھی مگر چپ ہی رہی تھی اور عائلہ نے اپنے لیے رائس پسند کیے تھے۔
زاویار بے نیاز بنا بیٹھا رہا، یہ الگ بات تھی کہ اس کے اندر طوفان اٹھ رہے تھے۔
کھانے کے دوران جب عائلہ نے چمچ کی بجائے ہاتھوں سے چاول کھانے شروع کیے تو چاہ کر بھی وہ خود پر کنٹرول نہ رکھ سکا۔
''ایکسکیوزمی مس علوی یہ آپ کا گھر نہیں ایک پبلک پلیس ہے یہاں کھانا کھانے کے کچھ مینرز ہیں بہتر ہوگا اگر آپ یہاں اپنی اوقات بھول کر ان مینرز کا خیال رکھیں۔'' اس کا لہجہ انگارے چبا رہا تھا اور عائلہ کا منہ کی طرف جاتا ہاتھ تھم گیا۔
''ایم سوری، مگر میں اسی طرح کھانے کی عادی ہوں میری اوقات جو بھی ہو مگر یہ طریقہ میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، اس پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جو ساری مخلوق کے ہادی ہیں اگر آپ کو میرے اس طرح کھانے سے اپنی شان پر ضرب لگتی محسوس ہورہی ہے تو میں اٹھ کر چلی جاتی ہوں۔''
''عائلہ پلیز بھیا کا وہ مطلب نہیں ہے اور بھیا پلیز ہم یہاں مفت کھانا نہیں کھا رہے جو کوئی اعتراض کرے گا پلیز کول ڈاؤن۔'' وہ جھگڑا نہیں چاہتی تھی اور زاویار کو برداشت کرنا پڑا مگر گھر آتے ہی وہ غصے سے پھٹ پڑا تھا۔
''حد ہوتی ہے پری بے وقوفی اور خدا ترسی کی بھی کوئی ایسے کرتا ہے بھلا جیسے تم نے کیا۔ مجھے بتاؤ بھلا ہم نے کوئی ایدھی سینٹر کھول رکھا ہے کہ کوئی بھی فرمائش کرے گا اور ہم بنا اپنے اخراجات کی پروا کیے اس کی فرمائش پوری کرتے رہیں گے۔''
''بھیا پلیز ایک سوٹ ہی تو لے کر دیا ہے اسے ہم نے کون سے قارون کے خزانے تھما دیے ہیں جو آپ ایسے

ری ایکٹ کر رہے ہیں۔"
"کیوں لے کر دوں میں اسے سوٹ کیا لگتی ہے وہ میری؟"
"آپ کی نہیں لگتی ہوگی مگر پاپا اسے اپنی دوسری بیٹی ہی سمجھتے اور مانتے ہیں۔"
"تو جب پاپا ساتھ ہوں اس وقت اس کے ناز اٹھالیا کرو مجھے وہ لڑکی سخت ناپسند ہے۔ دوبارہ میرے ساتھ اگر تم نے کبھی بھی اسے یوں اس کی اوقات سے بڑھ کر اہمیت دی تو سچ کہتا ہوں پری میں کچھ کر بیٹھوں گا اپنے ساتھ۔" سخت الفاظ میں انگلی اٹھا کر اسے وارن کرتا وہ فوراً اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا جبکہ پریہان دونوں ہاتھوں پر سر گرا کر وہیں لاؤنج میں صوفے پر ڈھے گئی۔
شام میں اس کے موبائل پر ساویز کی بہن دریہ کی کال آئی تھی۔
پریہان جو اپنے کپڑے پریس کر رہی تھی سیل کی اسکرین پر دریہ کا نام دیکھ کر خوش ہوگئی۔
"السلام علیکم دریہ کیسی ہو؟"
"میں ٹھیک ہوں تم کیسی ہو؟" دریہ کا لہجہ بجھا بجھا سا تھا پریہان چونک اٹھی۔
"میں بھی ٹھیک ہوں تم اتنی اداس کیوں ہو؟"
"ساویز بھائی کی وجہ سے پچھلے کچھ دنوں سے وہ بہت چپ چپ رہنے لگے ہیں بہت اداس بھی ابھی کل دوست کے گھر جاتے ہوئے چھوٹا سا ایکسیڈنٹ بھی ہوا ہے ان کا آج صبح اسپتال سے ڈسچارج ہوئے ہیں پتا نہیں کیا پرابلم ہے ان کے ساتھ؟" بہت اداس لہجے میں وہ کہہ رہی تھی۔
پریہان کا دل زور سے دھڑکا۔
اسے یاد آ رہا تھا کہ پچھلے کچھ دنوں سے ساویز کا رویہ اس کے ساتھ بھی پہلے جیسا نہیں رہا تھا وہ بہت بے رخی سے بات کرنے لگا تھا۔ کبھی کبھی وہ اسے بہت الجھا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ جانے اسے کیا الجھن تھی؟
دریہ کی کال ختم ہونے کے فوراً بعد اس نے ساویز کا نمبر ملایا اور اس کی کال تیسری بیل پر پک ہوگئی تھی۔
"ہیلو کیسے ہو ساویز؟"
"ٹھیک ہوں۔" وہ شاید سو کر اٹھا تھا تبھی اس کا لہجہ بھاری تھا اور پریہان کے اندر پریشانی بکھر گئی۔
"مجھے تمہارا لہجہ ٹھیک نہیں لگ رہا...... کیا تم مجھ سے ناراض ہو؟"
"نہیں۔"
"تو پھر پہلے کی طرح بات کیوں نہیں کرتے کہاں غائب رہتے ہو اب تو ہماری شادی بھی قریب ہے۔"
"ایم سوری پری، میں تم سے شادی نہیں کرسکتا۔ میری طرف سے یہ رشتہ ختم سمجھو۔" کوئی قدموں تلے سے زمین کیسے نکالتا ہے پریہان کو اس وقت پتا چلا تھا۔
اس کے ہاتھ سے سیل چھوٹ کر زمین پر جا گرا تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

